محمد سعود عالم قاسمی

تبجیل التنزیل: ایک تحقیقی مطالعہ

[مولانا ابوالمنصور ناصر الدین دہلوی (۱۸۲۲ء - ۱۹۰۲ء) اُنیسویں صدی کے اُن بلند پایہ اور صاحبِ نظر علماء میں سے تھے جنھوں نے مسیحیت کا مطالعہ براہ راست اصل ماخذوں سے کیا تھا۔ مسلم - مسیحی مناظراتی کتابوں کے علاوہ اُن سے قرآن کریم کی تفسیر بھی یادگار ہے۔ اِس تفسیر میں بھی اُنھوں نے انیسویں صدی میں برصغیر کے دینی و فکری پس منظر میں مطالعۂ مسیحیت کے اچھے نمونے پیش کیے ہیں۔

ششماہی "علوم القرآن" (علی گڑھ) نے ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں مولانا ابوالمنصور کی تفسیر "تبجیل التنزیل" پر جناب محمد سعود عالم قاسمی کا ایک تفصیلی مقالہ شائع کیا ہے۔ مقالے کے آغاز میں چار صفحات میں مولانا ابوالمنصور کا سوانحی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اِس کے بعد حسبِ ذیل عنوانات کے تحت تفسیر کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تفسیر تبجیل التنزیل
تبجیل التنزیل کی خصوصیات
تفسیری روایات
آسمانی کتابوں سے استدلال
سامی مذاہب کی تحقیق و تقابل
قرآن پر نصاریٰ کے اعتراضات کا جواب
آسمانی کتابوں میں تحریف کی نوعیت
اہلِ کتاب کی تاریخ اور جغرافیہ
قرآنی اصطلاحات اور علوم کی تحقیق
فقہی مسائل
کلامی اور فلسفیانہ مسائل
اہلِ کتاب کے حالات کا علماء اسلام پر انطباق
قدیم اور معاصر مفسرین پر تنقید
ماخذ تفسیر

"عالم اسلام اور عیسائیت" کے قارئین کی دلچسپی کے لیے مقالے کا وہ حصّہ بالاقساط درج کیا جا رہا ہے جو براہ راست اسلام اور مسیحیت کے تقابلی مطالعہ سے متعلق ہے۔ زیر نظر پہلی قسط میں تفسیر کی خصوصیات، تفسیری روایات، تبجیل التنزیل میں آسمانی کتابوں سے استدلال، سامی مذاہب کی تحقیق و تقابل اور قرآنِ مجید پر اعتراضات کے جائزے پر مشتمل ہے۔ دوسری قسط میں بقیہ عنوانات پر مشتمل حصّہ نقل کیا جائے گا۔ حواشی "عالم اسلام اور عیسائیت" کی روایت کے مطابق مقالے کے خاتمے پر درج ہوں گے۔ [مولانا ابو المنصور ناصر الدین دہلوی کے احوال و آثار کے لیے دیکھیے: "عالم اسلام اور عیسائیت"، اگست ۱۹۹۲ء، ص ۵ - ۱۴]

ہماری خواہش تھی کہ تفسیر "تبجیل التنزیل" کے مطبوعہ نسخے کے سرورق کا عکس دیا جاتا، مگر اسلام آباد کے معروف کتب خانوں میں یہ کتاب نہ مل سکی، البتہ کتاب خانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان - اسلام آباد کے جس نامکمل خطی نسخے کا مقالے میں ذکر کیا گیا ہے، اس کے پہلے اور آخری صفحے کے عکس کتب خانہ مذکور کے شکریے کے ساتھ دیے جا رہے ہیں۔ مدیر]

مولانا ابو المنصور ناصر الدین نے قرآن کریم کی فارسی زبان میں مفصّل تفسیر تبجیل التنزیل کے نام سے لکھی ہے، مگر یہ تفسیر مکمل شائع نہیں ہو سکی ہے۔ صرف پہلے دو پاروں کی تفسیر مولانا کے صاحبزادہ مولوی نصرت علی نے اپنے مطبع نصرۃ المطابع - دہلی سے شائع کی تھا، اور یہی مطبوعہ نسخہ راقم کے زیر مطالعہ ہے، اور یہ جہازی سائز کے ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ قلمی نسخہ کتب خانہ گنج بخش [مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان - اسلام آباد] پاکستان میں موجود ہے[1]۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کا خیال ہے کہ مولانا ناصر الدین نے قرآن کریم کی مکمل تفسیر نہیں لکھی تھی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

كان تفسير القرآن الكريم بالاحاديث الصحيحة ويصدقها بايات التوراة والانجيل ولكنه لم يتم[2]۔

(وہ قرآن کریم کی احادیث صحیحہ کے ذریعہ تفسیر کرتے تھے اور اسکی تصدیق تورات و انجیل کی آیات سے کرتے تھے، مگر مکمل نہ کر سکے۔)

اس کے برعکس مولوی بشیر الدین دہلوی کا کہنا ہے کہ مولانا نے پورے قرآن کی تفسیر لکھی تھی۔ البتہ پوری تفسیر شائع نہ ہو سکی۔ ان کا کہنا ہے کہ "قرآن مجید کی ایک بسیط تفسیر آپ نے بزبان فارسی ترتیب دی تھی جس کا بہت تھوڑا حصّہ چھپا، باقی رہ گیا[3]۔

مولانا عبدالحی کے مقابلہ میں مولانا بشیر الدین دہلوی کا قول زیادہ باوزن اور درست معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ وہ دہلی کے باشندے تھے اور مولانا ناصر الدین کے حالات و کوائف سے براہ راست

بسم اللہ

۶۸۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح کل کتاب تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا الذی لہ ملک السموات والارض ولم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک وخلق کل شیئ فقدرہ تقدیرا وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد المخاطب بخطاب ولا یاتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیرا در صحف انبیاء است مانند حکیم کیست و تفسیر کلام را مثل ملکہ میدانند (صحیفہ واعظ حضرت سلیمان ۸ باب) وعلی الہ واصحابہ تسلیما کثیرا کثیرا اما بعد عبدہ محمد ابو المنصور ابن جناب سید محمد علی مغفور ابن عالیجناب سید فاروق علی قدس سرہ ابن سید حیدر علی ابن سید عبد الغفور قاضی گنج سکت پور از سادات ترمذ از اولاد امجاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بخدمت ارباب فضل و کمال ملتمس است کہ درین عرصہ با وجود قلت بضاعت علم و عمل چون این ہیچدان را جرأت بتحریر تفسیر قرآن مجید در دل افتاد و او را بتجلیل التنزیل موسوم نمود خدائے قدیر این بندہ حقیر را این عام فہم تفسیر از جہت وکثرت بے پایان خود در دنیا و دین قبول فرماید مضامین این تفسیر با آنکہ از ہیچ تفسیرے قدیم وجدید استنباط نشدند و روایات وضعی و قیاسی را در آن دخلی نبودست ملحوظ داشتہ ام اول اینکہ تفسیر ہر آیہ از احادیث صحیحہ بلکہ اکثر از صحیح بخاری نگاشتہ ام دوم اینکہ آیات کتب الہامیہ سابقہ را در تائید مطالب قرآنی درج ساختہ ام تا اہل مذاہب دیگر را ہیچ شکے و اعتراضے در تسلیمش ہیچگونہ اعتراضے و اغماضے نباشد سیوم اینکہ در تفسیر ہر آیہ مسائل ضروریہ متعلقہ اش را از احادیث مبرہن کردہ شدہ و بحث حالات تواریخی و جغرافیہ مقامات و معانی صحیح اسماء و لغات و اصل ہر لغت و توافق محاورات تمامی آنہا بہ بہائے خدا با وجود

کثرت و قلت و طریقہ تقویت افزائی قوم با وجود یاد عزت و دفع ذلت وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ
و بیاموخت او را از آنچہ خواست از اعلیٰ درجہ فصاحت در نظم زبور و الحان اثر بخش جهور

در صحیح بخاری بروایت ابوهریرہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خُفِّفَ عَلٰى دَاوٗدَ
الْقُرْاٰنُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ وَلَا يَاْكُلُ
اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ یعنی فرمود آنحضرت صلعم سبک و آسان شده بود بر داود قرآن پس بود که حکم می
کرد که زین کرده شود اسوار بہا را پس بخواند قرآن را پیش از آنکہ زین کرده شوند سوار
رہہای ایشان و نمی خوردند مگر از کسب کار دست خود انتہی و دریں حدیث زبور را قرآن فرمود
و در عبرانی نام زبور تہلیم بتائے مکسورہ و ہائے مختفی مخلوطہ التّا است بروزن مسکین و در
صحیحین بروایت ابوموسیٰ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اباموسیٰ لَقَدْ اُعْطِيْتَ
مِزْمَارًا مِّنْ مَزَامِيْرِ اٰلِ دَاوٗدَ یعنی فرمود آنحضرت صلعم کہ ای ابوموسیٰ بتحقیق داده شدی
نی از نی ہائے آل داود متفق علیہ و این صفت خوش الحانی ابوموسیٰ اشعری است و درین
حدیث از آل داود مراد داود است وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ و اگر
نبودے دور کردن خدا مردمان بعض ایشان را ببعضے یعنی اگر گروه مفسدین و اگر نبودے
دور کردن خدا مردمان بعض ایشان را ببعضے یعنی اگر گروه مفسدین را بوسیلہ گروه صالحین
دفع نکردے لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ہر آئینہ تباه شدے زمین و نبودے امن برائے غربا و مساکین
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ و لیکن خدا صاحب بخشش است بر عالمیان
کہ بدان را از دست نیکان تباه و برباد میکناند تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ
بِالْحَقِّ اینست نشانہائے خدا میخوانیم آنرا بر تو ای محمد بصدق و یقین و تلقین اصول
دین از واقعات سابقین وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ و ہر آئینہ تو از پیغامبرانی بہ
سند الہامات ربانی و وحی آسمانی

واقفیت رکھتے تھے۔ اس بیان کی مزید توثیق اس بات سے ہوتی ہے کہ مولانا ناصر الدین نے اس مطبوعہ تفسیر میں جا بجا تفسیر کے اگلے غیر مطبوعہ حصّہ کا حوالہ دیا ہے اور اس بنیاد پر بعض تفصیلات کو ترک کیا ہے، مثلاً سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ رعد، سورہ جمعہ، اور سورہ صف وغیرہ کی تفسیر کے حوالے اس مطبوعہ تفسیر میں موجود ہیں۔

ممکن ہے کہ غیر مطبوعہ اجزاء بھی کسی ذخیرہ کتب یا ذاتی مطالعہ گاہوں میں موجود ہوں جن کا ہمیں علم نہیں۔ اگر یہ مکمل تفسیر شائع ہو جاتی تو یقینی طور پر علم تفسیر کی دنیا میں گراں قدر اضافہ ہوتا۔

تجمیل التنزیل کی خصوصیات

یہ تفسیر تین بنیادی خصوصیات کی حامل ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ انہی تین بنیادوں پر پوری تفسیر قائم ہے۔ وہ تین بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟ مصنف نے خود ہی بایں الفاظ وضاحت کی ہے:

سہ امر را ملحوظ داشتہ ام۔ اول اینکہ تفسیر ہر آیتہ از احادیث صحیحہ بلکہ اکثر از صحیحین بر لگا شتہ ام۔ دوم اینکہ آیات کتبِ الہامیہ سابقہ را در تائید مرمطالب قرآنی درج ساختہ ام تا اہالی مذاہب دیگر را ہیچ شکے و اعتراضے واز تسلیمش بیچگونہ اعراضے و اغماضے نباشد۔ سوم اینکہ در تفسیر ہر آیتہ مسائل ضرور یہ متعلقہ اش را از احادیث مبرہن کردہ شدہ و صحت حالات تواریخی و جغرافیہ مقامات و معانی صحیحہ اسماء و لغات و اصل ہر لغت و توافق محاورات تمامی کتابہائے خدا باوجود تباین زبانہائی عربی و عبرانی و یونانی و باوصف تباعد مدتہائے دراز در اوقات نزولِ آن کتابہا و دیگر مضامین عدیدہ مشعر معلوماتِ جدیدہ و مطالبِ مفیدہ کہ ہیچ چشم مثلش ندیدہ از صفات مخصوصہ این تفسیر است۔

[ترجمہ] تین چیزوں کا میں نے (اس تفسیر میں) لحاظ رکھا ہے۔ اول یہ کہ ہر آیت کی تفسیر صحیح احادیث سے کی ہے، بلکہ ان میں سے اکثر صحیحین (بخاری و مسلم) سے لی گئی ہیں۔ دوسرے یہ کہ گزشتہ الہامی کتابوں کی آیات کو مطالبِ قرآنی کی تائید میں درج کیا ہے، تاکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے کو کوئی شک اور اعتراض اور اسے تسلیم کرنے سے کسی قسم کا اعراض و اغماض نہ ہو، تیسرے یہ کہ ہر آیت کی تفسیر کے تحت رونما ہونے والے ضروری مسائل کو احادیث سے مدلّل کیا ہے۔ مقامات کے جغرافیہ اور تاریخی حالات کی صحت اور نام اور زبان کا صحیح معنی اور ہر لغت کا ماخذ جملہ آسمانی کتابوں کے محاورات کا توافق عربی و عبرانی اور یونانی زبانوں کے اختلاف اور ان کتابوں کے زمانہ نزول میں طویل مدت کے فاصلہ کے باوجود، اور دوسرے متعدّد مضامین جو جدید معلومات پر نشاندہی کرتے ہیں اور ایسے مفید مطالب کہ کسی آنکھ نے ان کا مثل نہ دیکھا

اس تفسیر کی مخصوص صفات میں سے ہیں۔

تفسیری روایات

جیسا کہ مصنّف نے خود ہی بیان کیا ہے کہ قیاسی اور موضوع روایات کو اس تفسیر میں شامل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ہر آیت کی تفسیر صحیح احادیث کی روشنی میں کی گئی ہے، بلکہ اکثر احادیث بخاری و مسلم سے ماخوذ ہیں۔

اس میزان پر تجمیل التنزیل پوری اترتی ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ دوسری مروّجہ تفاسیر کے مقابلہ میں یہ تفسیر اس لحاظ سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ مصنّف نے احادیث صحیحہ کا التزام کرنے کے ساتھ ساتھ ان روایات کی کمزوریوں کی بھی نشاندہی کی ہے جو بعض آیات کی تفسیر میں بالعموم مفسرین کرام بیان کرتے ہیں۔ اس طرح تفسیروں میں اسرائیلیات و موضوعات کا جو انبار لگ جاتا ہے اس سے بھی یہ تفسیر آگاہ کرتی ہے۔ مثال کے طور پر "فتلقیٰ ادم من ربہ کلمات" (البقرہ: ۳۷) کی تفسیر میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے حوالہ سے طبرانی، حاکم، بیہقی، ابو نعیم اصفہانی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا، اس لیے اپنی دعا میں کہا کہ "اے اللہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے گناہ معاف کر دے۔" اس کی کمزوری بیان کرتے ہوئے مصنّف لکھتے ہیں کہ "جب حضرت آدم علیہ السلام نے خود ہی عرش پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو ملاحظہ کیا اور ان کے نام کے وسیلہ سے دعا اور التجا کی تو تلقی آدم من ربہ کلمات کا کیا محل اور کیا ضرورت باقی رہی[۵]۔"

اسی طرح "ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم" (البقرہ: ۲۴۸) کی تفسیر کے ضمن میں واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی سے نقل کیا ہے کہ اس صندوق میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں اور بعض لوگوں کا یہ قول بیان کیا ہے کہ سکینہ ایک جانور تھا جو بلی کے برابر تھا، اس کی آنکھیں بھڑکتے ہوئے شعلے کی مانند تھیں جن کو کوئی دیکھنے کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ اس کے متعلق حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کا چہرہ انسان کے مشابہ تھا اور اس کے دو پیر تھے، وہ لڑائی کے وقت صندوق سے باہر نکلتا تھا، اور تیز ہوا کی طرح دشمنوں پر حملہ کرتا تھا اور ان کو منتشر کر دیتا تھا۔

ان روایات کی کمزوری بیان کرتے ہوئے مصنّف نے کہا ہے۔ چونکہ قرآن نے سکینۃ من ربکم کہا ہے، اس لیے اگر اس میں بلی تھی تو یہ بھی خدا کی طرف سے ہونی چاہیے، اور حضرت علیؓ نے فرشتوں کا ذکر فرمایا ہوگا جن کے ساتھ عجائب پسندوں نے ان چیزوں کا اضافہ کر دیا۔ کسی بھی نبی کی تصویر اس صندوق میں نقش نہ تھی، چہ جائے کہ سارے انبیاء کی تصویریں ہوں اور پھر صندوق رزم و بزم ہر جگہ بنی اسرائیل کے دلوں کے لیے باعث تسکین تھا، کیونکہ اس میں خدا کی کتاب محفوظ کی گئی تھی[۶]۔

مصنّف نے آیات کی تفسیر میں صحیح روایات بیان کرنے کا جو التزام کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر آیت کی تفسیر صحیح حدیث سے کرتے ہیں اور ایسا ممکن بھی نہیں ہے، کیونکہ تفسیر کے باب میں صحیح روایات بہت تھوڑی ہیں۔ امام بخاری نے الجامع الصحیح میں اور امام مسلم نے اس باب میں روایات بیان کی ہیں۔ علامہ سیوطی نے "الاتقان" کے آخری حصہ میں ان روایات کو جمع کرنے کا التزام کیا ہے[7]۔

اس تکلف سے بچتے ہوئے مصنف نے آیت کے مفہوم میں وسعت تلاش کی ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں میں سے کسی بھی پہلو کو حدیث سے مدلّل کیا ہے، اس طرح اُن کے نزدیک آیت کی تفسیر حدیث سے ہو جاتی ہے گو کہ بالواسطہ ہی سہی مثلاً الذی خلقکم و الذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرہ:۲۱) کی تفسیر میں صحیح مسلم کی یہ معروف روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کا مفلس شخص وہ ہوگا جو قیامت کے دن روزہ، نماز اور زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے گا، مگر کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر الزام لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا تو اُس کی نیکیاں اُن کو دے دی جائیں گی اور اگر اُس کی نیکیاں تاوان ادا ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو ان سب کا گناہ اُس پر ڈال کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا[8]۔

بظاہر اس روایت کا مذکورہ آیت سے کوئی تعلق نہیں، مگر مصنّف نے لعلکم تتقون کے ضمن میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ آخرت میں حقوق العباد اور حقوق اللہ کے مواخذہ کا مفہوم اس آیت میں شامل ہے۔

اسی طرح بشرالذین امنوا وعملوا الصالحات (البقرہ:۲۵) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> قرآن مجید میں ہر جگہ امنوا کے ساتھ عملو الصالحات آیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دو خلصتوں سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایمان باللہ اور مسلمانوں کو نفع پہنچانا۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا تھا اور انجیل مرقس ۱۲: ۳۰-۳۱ میں بعینہٖ یہی مضمون ہے[9]۔

بظاہر عملوالصالحات سے اس حدیث کا تعلق صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں کو نفع پہنچانا عمل صالح میں داخل ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی غیر مناسب نہ ہوگا۔ مصنّف نے صحیح احادیث کے التزام کا جو دعویٰ کیا ہے اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مصنّف نے ان کتابوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن میں صحیح و ضعیف ہر قسم کی احادیث شامل ہیں۔ بلکہ مصنف نے ابو نعیم اصفہانی کی "حلیۃ الاولیاء" اور اس درجہ کی دیگر کتب حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے، البتہ مصنّف نے ان ہی احادیث کو لیا ہے، ان کی نظر میں جن کو اعتبار حاصل ہے۔

مصنف نے چونکہ ایک طویل عرصہ عیسائیوں کے درمیان گزارا تھا، عیسائی مبلغوں سے مناظرے کیے تھے اور اسلام پر عیسائی حملوں کا جواب بھی دیتے رہتے تھے، اس لیے ان کے فکر پر عیسائیت کا ایک خاص تاثر تھا اور یہ تاثر مختلف انداز میں "تبجیل التنزیل" میں جھلکتا ہے۔ مصنف نے اس تفسیر کی جو تین نمایاں خصوصیات قرار دی ہیں، ان میں دوسری خصوصیت سابقہ آسمانی کتابوں سے قرآنی مطالب کی تائید و تشریح بھی ہے۔ چنانچہ ان کا یہ قول بیان کیا جا چکا ہے کہ

سابقہ آسمانی کتابوں کی آیات کو قرآنی مطالب کی تائید و تشریح کے بطور پیش کیا گیا ہے، تاکہ اہل کتاب اسے تسلیم کر سکیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اس کی نمایاں خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت دوسری جملہ خصوصیات پر حاوی اور غالب ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی تفسیر سابقہ کتبِ سماوی کی روشنی میں کی گئی ہے تو غیر مناسب نہ ہوگا[1]۔ چنانچہ ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة (البقرہ:۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انجیل میں ہے کہ وہ لوگ باطل خیالات میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان ناسمجھوں کے دل تاریک ہو چکے ہیں اور خود کو عقل مند قرار دے کر نادان ہو گئے ہیں اور چونکہ انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ خدا کو پہچان کر اسے یاد رکھیں تو خدا تعالیٰ نے بھی ان کو ان کی عقل کی بے تمیزی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نالائق قسم کے کام کریں۔ (رومیوں کے نام ۱: ۲۱، ۲۴، ۲۸) اور زبور میں ہے کہ بنی اسرائیل نے مجھے قبول نہ کیا چنانچہ ہم نے ان کو ان کے دل کی سختی میں مبتلا کر دیا (زبور ۸۱: ۱۲) یہی مراد ہے ختم الله على قلوبهم سے، کلامِ الٰہی کا یہ طرزِ استدلال تمام کتبِ الہامیہ میں موجود ہے۔ چنانچہ صحف انبیاء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جاؤ اور اس قوم سے کہو کہ تم سنا کرو پر سمجھو نہیں، تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں، تم ان لوگوں کے دلوں کو موٹا کر دو اور ان کے کانوں کو بھاری کر دو اور ان کی آنکھیں بے نور کر دو تا نہ ہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں سے سنیں اور اپنے دلوں سے سمجھ لیں اور باز آئیں اور شفا پائیں۔ (یسعیاہ ۶: ۹-۱۰) اسی طرح انجیل میں ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے۔ (انجیل متی ۱۳: ۱۳)"۔

الله يستهزئ بهم ويمدهم فى طغيانهم يعمهون (البقرہ:۱۵) کے ضمن میں مصنّف نے تفسیر حسینی کے مصنف کمال الدین واعظ کاشفی اور "تفسیر القرآن" کے مصنّف سر سید احمد خاں کے

اس خیال کا ابطال کیا ہے کہ اللہ کو مستہزی نہیں کہا جاسکتا اور ان دونوں کو الہامی محاورہ سے ناواقف قرار دیتے ہوئے زبور کی یہ عبارت پیش کی ہے "وہ جو آسمان میں تخت نشین ہے ہنستا ہے اور ان لوگوں کے معبودوں کا استہزاء کرتا ہے۔" (زبور ۴) [۱۲]

ما ننسخ من آیۃ اوننسھا نات بخیر منھا او مثلھا (البقرہ:۱۰۶) کے تحت قرآن کریم میں نسخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> تمام آسمانی کتابوں میں یہ صفت نسخ وغیرہ موجود ہے، چنانچہ تورات کے وہ تمام احکام جو من وسلویٰ کے نزول کے سلسلہ میں اور یوم سبت کے دن توقف کرنے کے سلسلے میں تھے، بنی اسرائیل کے کنعان کے حدود میں داخل ہونے کے بعد منسوخ ہو گئے، اور وہ تمام ملکی احکام جو ملک کنعان پر حکومت کرنے کی حالت میں واجب التعمیل تھے، جب وہ ملک بنی اسرائیل کے ہاتھ سے چلا گیا، واجب التعمیل نہ رہے [۱۳]۔

قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ مصنف نہ صرف تورات وانجیل کو قرآنی آیات کی تائید و توثیق کے بطور پیش کرتے ہیں، بلکہ ان صحائف کے بیان کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں کہ قرآنی آیات کے مفہوم و مطالب کی اساس بھی بنا لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تورات وانجیل تحریف و ترمیم کا شکار ہوئی ہیں، خواہ جس حد تک ہوئی ہوں، لہذا ان کو قرآنی مفاہیم کی تعیین میں اساسی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ چنانچہ یہ پورا باب جو اسرائیلیات کے نام سے معروف ہے بڑی احتیاط کا طالب ہے، چونکہ ان کی حفاظت کی ضمانت نہیں اس لیے نبی ﷺ نے "لاتصدقوا ولا تکذبوا" کی معتدل تعلیم عطا فرمائی ہے اور اسی بناء پر قدیم اساطینِ تفسیر کے یہاں یہ پہلو دبا ہوا نظر آتا ہے اور وہ اسرائیلیات کے رجحان کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔

سامی مذاہب کی تحقیق و تقابل

تجمیل التنزیل میں احادیث صحیحہ اور تورات وانجیل سے استدلال کرنے کے ساتھ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے عقائد، احکام اور کتب و حالات پر روشنی ڈالنے کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب سے متعلق جس قدر متنوع معلومات مستند عبرانی اور عیسائی حوالوں کے ساتھ اس تفسیر میں ملتی ہیں، شاید ہی کسی قدیم وجدید تفسیر میں دستیاب ہوں۔ کہا جاسکتا ہے کہ تجمیل التنزیل قرآن کریم کی ایسی تفسیر ہے جو اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کے عقائد و اعمال کا تقابلی مطالعہ پیش کرتی ہے اور یہ اس تفسیر کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ مثال کے طور پر ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنھم ینفقون (البقرہ:۳) کے ذیل میں وہ لکھتے ہیں۔

> اسرائیلیان میں تین وقت کی نماز کا معمول ہے۔ ایک نماز صبح جسے سحریت کہتے ہیں، اور

اس کا وقت طلوع صبح صادق سے لے کر آدھے دن کے قریب رہتا ہے۔ اس نماز کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ہے۔ (سفر اول توریت ۱۵، باب ۱) دوسری نماز کا نام منحامی ہے اور اس کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر شام کے وقت تک ہے۔ اس نماز کی ابتداء حضرت اسحاق علیہ السلام سے ہوئی ہے (سفر اول توریت ۶۴ باب ۶۳) رات کی نماز کا نام عربیت ہے جس کی ابتداء حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہوئی ہے (سفر اول توریت ۲۸ باب ۱۰ تا ۱۲) اور اس کا وقت پوری رات ہے اور ہر نماز میں زبور کا پڑھنا واجب سمجھا گیا ہے۔ خاص طور پر زبور ایک سو اڑتالیس کو[۱۴]۔

اسی طرح ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر (البقرہ:۸) کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

تورات کے زمانہ نزول میں اسلام کی دعوت صرف یہ تھی کہ خدائے واحد پر محکم ایمان للہ اور آخرت کا تذکرہ صراحتاً نہیں تھا، اس لیے اس زمانہ میں طریقۂ عبادات کی تعلیم اور معاملات کی اصلاح کو مقدم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد صحف انبیاء میں تھوڑا تھوڑا حالات آخرت کی وضاحت ہوئی اور اس کی زیادہ وضاحت انجیل میں بالخصوص اس کے آخری صحیفہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس عہد میں مذہب کی دعوت اس طور پر رائج ہوئی کہ ایمان للہ خدا پر اور یوم آخرت پر۔ (رسولوں کے اعمال ۲۳:۶، ۲۴:۱۵)[۱۵]

۳۲۴ء میں قسطنطنیہ کے بانی قیصر قسطنطین نے ایک مجلس منعقد کی اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور توحید میں تثلیث کا عقیدہ قائم ہوا۔ اس جگہ قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ تمام اہل کتاب میں اولاً یہود خدا پرستی میں ممتاز ہوئے، مگر آخرت کے حالات سے ناواقف رہے اور تمام اہل کتاب میں نصاریٰ امور آخرت سے واقفیت میں ممتاز ہوئے، مگر خدا پرستی کے معاملہ میں جو کہ توحید میں منحصر ہے، نامکمل رہے۔ بالآخر دین اسلام جو خدا پرستوں کا آخری مذہب ہے، دنیا میں رائج ہوا اور علم توحید اور علم آخرت میں سب پر سبقت لے گیا۔ دونوں فرقے یعنی یہود و نصاریٰ کو عقیدہ توحید کی تعلیم اور امور آخرت کی تلقین کے معاملہ میں مسلمانوں سے ہدایت حاصل کرنے کا محتاج بنایا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے فرمایا: وکذلک جعلنا کم امۃ وسطالتکونوا شھداء علی الناس (البقرہ:۱۴۳)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ابتداء میں الفاظ کی کمی کے سبب سے لوگ خدا کو "اب" یعنی باپ کہتے تھے۔ اس کے بعد جب آسمانی کتابیں ان کی زبان اور محاورہ پر نازل ہوئیں تو سمجھنے میں آسانی کی وجہ سے اور اظہارِ شفقت کے لیے "ابن" کا لفظ بارگاہِ الٰہی کے مقربین کے لیے استعمال

ہوا اور اس سے مراد محض ان کی مقبولیت کی علامت کا اظہار تھا چنانچہ انجیل میں ہے کہ "جو لوگ روح حق کی ہدایت کے مطابق چلتے ہیں، وہ خدا کے بیٹے ہیں (رومیوں کے نام ۸:۱۴) اور وہ مخصوصانِ الٰہی جن کے حق میں ابن کا لفظ استعمال ہوا، وہ کلام کے اس منشاء کو بخوبی سمجھتے تھے، اور اسی لیے وہ کبھی یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں، بلکہ لفظ ابن کے خطاب سے اللہ کا جلال و جبروت اور زیادہ ان کے دل میں جاگزیں ہوتا تھا"[16]۔

موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں دو لڑنے والوں کا فیصلہ کرتے وقت جو قبطی مارا گیا تھا، اس کا تذکرہ قرآن کی (سورہ قصص) میں موجود ہے اور تورات میں بھی، ان دونوں کا تقابل کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ:

سورہ قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے روز بھی لڑنے والے مخالف قومیت کے تھے، یعنی ایک قبطی دوسرا اسرائیلی تھا، مگر تورات میں دو مرد عبرانی کا ذکر ہے، اس جملہ کو ان الفاظ کے ساتھ پڑھنا چاہیے کہ عبرانی و قبطی دو مرد لڑ رہے تھے۔ اگرچہ لفظ قبطی اس آیت میں کسی وجہ سے چھوٹ گیا ہے اور نقل نویسوں نے کلام الٰہی کے ادب کی وجہ سے انہی الفاظ میں نقل کر دیا ہے تاکہ اپنی طرف سے تصرف واقع نہ ہو"[17]۔

وظللنا علیکم الغمام (البقرہ: ۵۷) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

توریت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ ان چالیس سالوں میں تمہارے کپڑے بوسیدہ نہ ہوئے اور تمہارے پاؤں آماس نہ ہوئے۔" (استثناء ۸:۴) یہ وہ علامت تھی جو سچ مچ مسلم ہے۔ بروایت ابی ہریرہؓ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ غمزدہ نہ ہوگا، نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے، اور نہ اس کی جوانی فنا ہو گی، نیز توریت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم لوگوں کو اس سرزمین میں پہنچاؤں گا جہاں دودھ اور شہد موج مار رہے ہوں گے۔ (خروج ۳:۱۳) اور بروایت ترمذی نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کے دریا ہوں گے[18]۔

مصنف نے تحقیق و تقابل کے ساتھ عیسائیوں کے ان عقائد اور خیالات کی اصلاح بھی کی ہے جو توریت کی عبارتوں سے غلط نتیجہ اخذ کرنے پر مبنی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت ۳۹ کی تفسیر ملاحظہ کیجیے[19]۔

قرآن پر نصاریٰ کے اعتراضات کا جواب

تجمیل التنزیل میں بکثرت اہلِ کتاب بالخصوص عیسائی پادریوں اور مبلغوں کے قرآن کریم کی

آیات، زبان اور مضامین پر اعتراضات نقل کیے گئے ہیں، پھر ان اعتراضات کے عقل و نقل کے ساتھ قرینت و انجیل کی روشنی میں مدلل و مسکت جوابات دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر کرتے ہوئے مصنف نے ایک عیسائی پادری کی کتاب "ہدایت المسلمین" (مطبوعہ لاہور ۱۸۹۸ء) کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ "رحیم ادنیٰ ہے اور رحمان اعلیٰ اور فصحائے عرب ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں جب کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کی خلاف ورزی ہے۔"

اس اعتراض کے جواب میں علامہ ناصر الدین لکھتے ہیں کہ:

معترض کلام الٰہی کے محاورات سے باخبر نہیں ہے۔ انجیل میں مذکور ہے کہ جو شخص اچھی طرح زمین میں بویا گیا ہے وہ وہی ہے جو کلام الٰہی کو سنتا ہے اور سمجھتا ہے اور پھل لاتا ہے، کوئی سو گنا پھلتا ہے کوئی ساٹھ گنا، کوئی تیس گنا (متی ۱۳:۲۳) کیا یہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے یا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف، نیز انجیل میں ہے کہ میں نے نگاہ کی تو اس تخت اور ان جانداروں اور بزرگوں سے گرداگرد بہت سے فرشتوں کی آواز سنی جن کا شمار کروڑوں اور لاکھوں میں تھا۔ (یوحنا عارف کا مکاشفہ ۵:۱۱)

فصحائے عرب مدح کے مقام میں مبالغہ کے لیے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں نہ کہ حقیقت واقعہ کے بیان میں، اور اللہ تعالیٰ جیسا کہ وہ ہے کوئی اس کی تعریف نہیں کر سکتا، چہ جائے کہ اس کے اوصاف کے بیان میں کوئی مبالغہ کیا جائے۔ اس اعتبار سے پہلے دنیاوی زندگی میں اس کی رحمت و تکریم کا تذکرہ لازم ہوا بمقابلہ اس کی اس رحمت کے جو دنیائے آخرت میں واقع ہو گی۔ اور حال کو مستقبل پر صریح تقدم حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ رحمٰن خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بخلاف لفظ رحیم کے۔ وہ خالق و مخلوق دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اسم ذات کے ساتھ وہی صفت موزوں تر تھی جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ تیسرے یہ کہ بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کے تین ناموں کا تذکرہ ہے یعنی اللہ، رحمٰن، رحیم، اللہ اسم ذات ہے، رحمٰن بمنزلہ اسم ذات ہے اور رحیم اسم صفت ہے اور ہر صفت کے لیے ذات کا تقدم بدیہیات میں سے ہے۔ اس کے ترتیبی معنی اس طرح ہوں گے۔

ازل سے پرستش کے لائق ابد تک تمام مخلوقات کو روزی دینے والا اور آخرت میں نیکو کاروں کو بخشنے والا، اس سے زیادہ تفصیل میری کتاب "عقوبۃ الضالین" بجواب ہدایت المسلمین میں دیکھنی چاہیے[۲۰]۔

حروف مقطعات کی تفسیر کے ضمن میں مصنف نے لکھا ہے کہ

بہت سے اہل کتاب نے ان حروف پر اعتراض کیا ہے کہ جب کسی کو ان کے صحیح

معنی معلوم نہیں ہیں تو ان حروف کو قرآن میں لکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں حکمت الٰہی کے راز سے واقف نہیں ہوں، مگر اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ زبور میں چند آیات کے بعد اسی شکل میں ایک لفظ آتا ہے "سلاہ"۔ یہ لفظ زبور میں ۷۳ مرتبہ اور حضرت حبقوق کے صحیفہ میں جو کہ توریت کے مجموعہ میں شامل ہے، تین مرتبہ پایا جاتا ہے، اس کا مراد اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ اس سنجیدہ بیان پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اس کا لغوی معنی تین ہزار سال گزرنے کے باوجود اب تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکا[۲۱]۔ اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لیے فان امنو بمثل ماامنتم بہ فقداھتدوا (البقرہ: ۱۳۷) کی تفسیر ملاحظہ ہو[۲۲]۔